اسلام کی نشو ونما اور تیزی سے پھیلنے کی وجہ حُسن محمدؐ تھا جس نے عرب فتح کیا پھر وہی فتح باقی ملکوں میں پھیل گئی

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25 / اپریل 1997ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۷﴾

(الشوریٰ: 26، 27)

پھر فرمایا:

یہ وہی آیات ہیں جن سے میں نے گزشتہ خطبے میں ان کی تلاوت کے ذریعہ آغاز کیا تھا اور مضمون بھی وہی ہے اور انہی آیات کے بعض اور پہلو ہیں جو میں آپ کے سامنے مزید کھولنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آج پھر میں نے انہی کی تلاوت کی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ توبہ کے ساتھ گزشتہ گناہوں کی مغفرت کا جہاں تک تعلق ہے لازم نہیں کہ ہر قسم کی بدیاں بھی اسی وقت، اس لمحے مٹ چکی ہوں اور کچھ نہ کچھ پرانی عادات کا ایک جلوس سا باقی رہتا ہے جو آگے بڑھ جاتا ہے۔ پس توبہ کے بعد ایک مکمل نئی صالح زندگی معاً عطا نہیں ہوا کرتی اس کیلئے ایک لمبے عرصے کی جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے۔ پس يَعْفُوا عَنِ السَّيِّاٰتِ کا ایک معنی تو میں نے یہ بیان کیا تھا کہ جب خدا عفو سے

کام لیتا ہے تو اس کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نظر انداز فرما دیتا ہے، ان کے عواقب سے بچا لیتا ہے اور دوسرے یہ کہ جب خدا نظر انداز فرمائے تو بدیاں مٹنی شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ خدا کی آنکھ سے تو کوئی چیز اوجھل نہیں رہ سکتی۔ اس کی آنکھ سے اوجھل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقعۃً مٹ جاتی ہیں لیکن کیسے مٹتی ہیں۔ کیا یہ از خود ایک طبعی سلسلہ ہے جو جاری ہوتا ہے یا اس میں انسان کو بھی کسی کوشش یا جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ دوسرا پہلو ہے جو میں آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں۔

قرآن کریم نے اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں وہ کہتے ہیں رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ کہ اے خدا! اے ہمارے رب! ہم نے ایک ایسے پکارنے والے کی آواز کو سنا جو یہ کہتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لے آئے۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا پس ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور یہ پہلا تقاضا ہے کہ ہمارے سابقہ گناہ بخش دے تا کہ ہلکے قدموں کے ساتھ، سارے بوجھ اتار کر پھینکتے ہوئے ہم تیری طرف آگے بڑھیں لیکن اس سے آگے ایک اور تقاضا بھی ہے کہ کچھ ایسی برائیاں ہیں جو بخشش کے باوجود ہماری ذات کا ایسا جزو بن چکی ہیں کہ ہم انہیں ایک دم نوچ کر الگ نہیں پھینک سکتے وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا کی دعا سکھائی ہے۔ پس اگر دعا کی طلب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کو انسان کے ساتھ کوئی بھی تعلق قائم نہیں ہوا کرتا۔

پس یہ جو مضمون ہے کہ بدیوں کو دور فرما دے گا اس کا انسانی ذات میں ایک طلب کا پیدا ہونا، ایک خواہش کا ابھرنا اور اس خواہش کے مطابق جو اس سے ملتے جلتے، اس سے تعلق رکھنے والے اعمال ہیں ان کا آغاز ہو جانا یہ سب انہی آیات کے اندر شامل ہے۔ پس جو آیتیں میں نے اب آپ کے سامنے پڑھی ہیں یا دوسری سورۃ کی جن آیات کی طرف آپ کو متوجہ کیا ہے ان میں جو اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان فرمایا کہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا ہمیں بخش دے تو پھر ہماری برائیوں کو بھی دور فرما دے۔ وہ برائیاں دور کرنے کا سلسلہ دعا کے ساتھ جب شروع ہوتا ہے تو پھر یہ تنبیہہ فرمائی جاتی ہے وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ کہ دیکھو اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اس لئے یہ نہ ہو کہ دعا مشرق کی ہو اور رخ مغرب کی طرف ہو جائے۔ جس طرف کی دعا کی جارہی ہے اسی سمت میں چلنا پڑے گا اور بدیاں دور کرنے کے لئے تمہیں کچھ نہ کچھ محنت کرنی ہوگی اور جب تم یہ کرو گے تو خدا کا وعدہ ہے کہ وہ

ضرور دور فرما دے گا اور جب دور فرمائے گا تو اس کی علامتیں ظاہر ہونگی۔ وہ علامتیں یہ ہیں کہ سب سے پہلے تم مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔ تمہاری دعاؤں کو جو نیک نیتی سے کی جارہی ہیں، جن کی عمل صالح تائید کر رہا ہے ان دعاؤں کو خدا قبول فرمائے گا۔

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ان لوگوں کی دعا کو قبول فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور پھر نیک اعمال بجالائے۔ پس محض گزشتہ کی توبہ کافی نہیں جب تک اپنی زندگی کو نیک اعمال سے بھر نہ دو اور نیک اعمال ہی ہیں جو دراصل بدیوں کو دور کرنے کی ضمانت ہوا کرتے ہیں۔ فرمایا وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور پھر وہ اپنے فضل سے ان کو اور بھی بڑھائے گا۔ اب یہ جو آیت ہے وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اس میں ایک بہت عظیم وعدہ کیا گیا ہے لیکن وہ وعدہ ہے کیا؟ ایک معنی اس کا یہ کیا جاتا ہے جو عربی کے لحاظ سے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے اعمال کی جزا میں ان کو بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا یعنی ایسے لوگوں کے اعمال کی جزا ان کو بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔

لیکن مجھے ایک اور معنی اس سے زیادہ پسند ہے اور میرے نزدیک اس موقع پر وہ زیادہ صادق آتا ہے اور اس کا پہلی آیات سے ایک براہ راست تعلق ہے يَزِيْدُهُمْ کا مضمون كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جو انسان اپنی بعض عادتیں اپنے سے توڑ توڑ کر الگ پھینک رہا ہے وہ کم ہوگا زیادہ تو نہیں ہوگا۔ ظاہری عقلی تقاضا یہ ہے کہ اس میں سے کچھ اترا اور کچھ پھینکا گیا۔ زیادہ وہ کیسے ہو جائے گا۔ زیادہ تبھی ہوگا اگر بدیوں کے دور کرنے کا مضمون سمجھ آجائے ورنہ ہو نہیں سکتا اور اس مضمون کو قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ یوں کھولا ہے کہ تم اپنی بدیوں کو حسن کے ذریعہ دور کرو یعنی ایسے بنو کہ بدیوں کو ویسے اکھیڑ کر باہر نہ پھینکو بلکہ حسن کے ذریعے تبدیل کرو اور اس مضمون کو قرآن کریم نے مختلف آیات میں مختلف رنگ میں بیان فرمایا ہے لیکن ہمیشہ یہی مضمون ہے کہ وہ ایک آیت جو معین میرے ذہن میں تھی اس وقت وہ زبان پہ جاری نہیں ہو رہی لیکن یاد آجائے گی اس دوران، معنی اس کا یہی ہے کہ حسن کے ذریعے، خوبیوں کے ذریعے اپنی بدیوں کو دور کرو جس میں ایک بہت گہرا حکمت کا راز بیان فرما دیا گیا کہ بدیاں اپنی ذات میں دور کرنا نہ مقصود ہے نہ ممکن ہے، یہ ہو نہیں سکتا کہ تم اپنی بعض پرانی عادتیں

اپنے وجود سے نوچ کر پھینک دو سوائے اس کے کہ ان سے بہترین عادتیں ان کی جگہ لینے کے لئے موجود ہوں۔

پس حسن بدی کو دھکیل کے باہر کرتا ہے جیسے نور اندھیروں کو دھکیل کے باہر کر دیتا ہے۔ خالی اندھیروں کو دور کرنا ممکن ہی نہیں، عقل کے خلاف بات ہے۔ پس قرآن ایک ایسی اعلیٰ حکمت کی کتاب ہے جو انسانی فطرت کی پاتال تک نظر رکھتا ہے اور کوئی بھی حقیقی تعلیم ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ پس سیئات کو دور کرنے کی تعلیم فی ذاتہ ایک کھوکھلی تعلیم ہے اگر قرآنی آیات کی روشنی میں حسن کے ذریعے بدی کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ پس جب بہتر عادتیں بعض بری عادتوں کی جگہ لیں گی تو یہ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کا مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر ان کو بڑھائے گا اپنے فضل کے ساتھ اور جو بہتر عادتیں ان کو عطا ہوں گی وہ باقی رہنے والی ہوں گی اور دائمی ہو جائیں گی وہ وفا کرنے والی عادتیں ہونگی جو ان کو چھوڑ کر جائیں گی نہیں کیونکہ نیکی کے مضمون کے ساتھ اس کا باقی رہنے کا مضمون بھی قرآن کریم نے ہر جگہ بیان فرمایا ہے اور پھر ان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا یعنی جوں جوں بدیاں جھڑیں گی حسن میں اضافہ ہوگا اور جب حسن میں اضافہ ہوگا تو تمہاری طاقت میں بھی اضافہ ہوگا۔ تمہارے جیسے اور لوگ تمہارے ساتھ پیدا ہونے لگیں گے۔

یہ وہ پہلو ہے جس کے تعلق میں میں ایک دفعہ پھر آپ کو دعوت الی اللہ کا مضمون یاد کراتا ہوں۔ بہت سے احمدی ہیں جو دعوت الی اللہ میں مصروف ہیں، پوری کوشش کرتے ہیں لیکن آخر پہ شکوہ یہ رہ جاتا ہے کہ ہم نے تو سب کچھ کر دیا مگر اوپر سے پھل نہیں مل رہے گویا اوپر ہی کا قصور ہے۔ حالانکہ اگر پھل نہیں مل رہے تو نیچے کا قصور ہے بعض دفعہ جڑوں کی بیماری ہے جو حائل ہو جاتی ہے پھلوں کی راہ میں اور آسمان تو بارشیں برساتا ہے، فضا تو ضرورت کی گیسیں مہیا کرتی رہتی ہے مگر پھل اس لئے نہیں لگتے کہ جڑیں بیمار ہیں۔ پس كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا کا مضمون تبلیغ کے لئے بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ دعا ساتھ ہو اور اس کے بعد پھر انسان اپنے حسن کے ذریعے اپنی بدیوں کو دور کرتا چلا جائے اور جب آپ کا حسن آپ کی بدیوں کو نکال باہر کرنے پر مجبور کر دے یعنی نیا اختیار کردہ حسن جو قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ سے آپ سیکھیں گے تو پھر ایسے وجود کا بڑھنا اور نشو ونما ایک طبعی قدرتی عمل ہے جس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

پس اگر کسی کی تبلیغ کی راہ میں کوئی روک حائل ہے اور پھل نہیں لگ رہے تو دیکھیں کہ اس کے اندر کوئی ایسی بدیاں تو نہیں جو اس کی نشوونما کی راہ میں حائل ہوگی ہیں ورنہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ یہ وعدہ کرے اور پھر پورا نہ فرمائے کہ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور بڑھاتا ہے۔ تو محض نیکیاں بڑھانے کا مضمون نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نفوس میں برکت دیتا ہے ان کی تعداد بڑھتی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا جو ہر نبی سے ہوتا رہا مگر جس شان کے ساتھ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے ساتھ ہوا ویسا اور کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا کہ آپ اکیلے تھے اور کس تیزی کے ساتھ کثرت میں تبدیل ہونے لگے اور آپ کا حسن دوسروں میں سرایت کیا ہے تو آگے بڑھے ہیں، اس کے بغیر آگے نہیں بڑھے۔

کوئی بھی اسلام کی نشوونما اور تیزی سے پھیلنے کی حقیقت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ حسن محمدؐ تھا جس نے عرب کی فتح کی ہے اور پھر وہی فتح تھی جو باقی ملکوں پہ بھی پھیل گئی۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے حسن کے بغیر جو فتح تھی، وہ عسکری فتح تھی اس نے کوئی بھی دیرپا صلاحیت مومنوں میں پیدا نہیں کی بلکہ بعض اس زمانے کے لوگوں کو پہلے سے بدتر حالتوں میں وہ فتوحات چھوڑ گئیں اور جو اعمال میں رہی سہی خوبیاں تھیں ان کو بھی وہ کھا گئیں، ظالم بادشاہ پیدا ہوئے۔ چنانچہ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے جو مسلمانوں کے تنزل کی دردناک کہانی بیان فرمائی ہے وہاں خلافت کے بعد ملوکیت اور ملوکیت کے بعد پھر ظلم کی حکومت کا ذکر فرمایا ہے۔

پس جب خلافت راشدہ نہ رہے تو جو حکومت قائم ہوتی ہے وہ سچائی کی حکومت نہیں بلکہ ایک سیاسی حکومت ہے جس میں سچائی کے کچھ اثرات باقی رہتے ہیں لیکن زیادہ دیر تک رہ نہیں سکتے کیونکہ جب یہ عمل جاری نہ رہے کہ حسن سے بدیوں کو دور کرو اس وقت تک برعکس جو عمل سے وہ شروع ہو جاتا ہے یعنی بدیاں نیکیوں کو کھانے لگتی ہیں کیونکہ ان نیکیوں میں جان نہیں ہوتی، وہ کھوکھلی ہو چکی ہوتی ہیں۔ وہ شخص جس میں دفاع کی طاقت نہ ہو اس کو جراثیم کھاتے ہیں۔ جس میں دفاع کی طاقت ہو وہ بدن تو جراثیم کو کھا جاتا ہے اور روزمرہ یہی ہو رہا ہے ہمارے بدن میں۔ لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں قسم کے جراثیم ہیں جو ہم پر ہمیشہ حملہ آور رہتے ہیں اور بدن ان کو کھا جاتا ہے یعنی ان کو غارت کر دیتا ہے۔ گویا ان کے گرد ایسے سپاہی لپٹ جاتے ہیں جو ان کو کھا کر اگرچہ اپنی جان بھی ساتھ فدا کرتے ہیں مگر ان کو

بدن سے نکال کر ایک گندگی کے طور پر اس سے خارج کر دیتے ہیں اور یہ عمل جاری عمل ہے۔

پس بدیاں جو ہیں ان پر نیکی نے بہر حال غالب آنا ہے۔ اگر نیکی کی صفات حقیقۃً موجود ہوں، اگر نیکی کی تعریف صادق آتی ہو تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک صالح وجود پر غیر صالح وجود غالب آجائے۔ پس جو دوسرا دور ہے اس میں یہ معنی نہیں ہے کہ گویا اب خدا نے قانون بدل دیا ہے۔ اب نیکی پر بدی غالب آنے لگی ہے۔ وہ مضمون یہ ہے کہ نیکی نہیں رہی اور خلا نہیں ہو سکتا۔ جہاں سے نیکی چلی جائے گی اس کا ایک طبعی عمل ہے، یہ قانون قدرت کا ایک طبعی عمل ہے کہ خلا رہ نہیں سکتا جہاں سے نیکی اٹھے گی بدی آ کر اس جگہ براجمان ہو جائے گی، اس جگہ پر قبضہ کر لے گی۔

تو اپنی زندگی کی حفاظت کرنی ہے اور نسلاً بعد نسلٍ حفاظت کرنی ہے تو یہی ایک راز ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا کہ ایمان لاؤ توبہ کرو جو سچی توبہ ہے۔ سچی توبہ کے بعد اپنی بدیوں کو اپنے زیر نظر رکھو اور امید رکھو کہ خدا دور فرمائے گا تم میں طاقت نہیں مگر دعا کے ذریعے **اس جہاد کا آغاز کرو، دعاؤں کے ذریعے خدا تعالیٰ سے مدد مانگو کہ وہ تمہاری بدیاں دور کرنی شروع فرما دے** اور طریق یہ سکھا دیا کہ جو عمل تمہیں بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی نیکیوں کے ذریعے اپنی بدیوں کو دور کرو یعنی نیکیاں بڑھاؤ تو بدیاں دور ہوں گی۔ تو یہ ایک مثبت عمل ہے جس کی طرف بلایا جا رہا ہے یہ مثبت عمل جب جاری ہوگا تو آپ میں برکت پڑے گی۔ یعنی آپ کے وجود میں ایک ایسی توانائی پیدا ہوگی جو پہلے نہیں تھی کیونکہ نیکیوں کے بغیر کوئی توانائی نہیں ہے آپ کے اندر ایک روحانی زندگی پیدا ہونی شروع ہوگی جس میں جان پڑ جائے گی جو اس طرح نشو ونما پائے گی جس طرح چھوٹا بچہ صحت مند ماحول میں تربیت پاتا ہوا آگے بڑھتا ہے بلند ہوتا ہے اور اس کی ہر صلاحیت پہلے سے زیادہ طاقت پا جاتی ہے، تنومند ہو جاتی ہے۔

تو صلاحیتوں کی نشو ونما کا نام ہے بدیوں کا دور ہونا کیونکہ وہ نشو ونما حسن اور نیکیوں کے ذریعے ترویج پاتی ہے اور اس وجہ سے بدیوں کا دور کرنا ایک مثبت عمل کا دوسرا نام ہے، محض ایک منفی کوشش نہیں ہے۔ اس کوشش میں ہم کیسے داخل ہوں اور کیسے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو توبہ کا فلسفہ بیان فرمایا ہے اس کا سمجھنا ہمارے لئے بہت مدد اور مفید ثابت ہوگا اور دوسرا یہ کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اپنی بدیوں کو تاک کر نشانے بنانا یہ ایک باشعور کام ہونا چاہئے۔ **یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ از خود یہ سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جب خدا نے**

دعا سکھائی، جب نصیحت فرمائی کہ نیکیوں کے ذریعے بدیوں کو دور کرو تو ہر لمحہ اپنا جائزہ لینا لازم ہے اور دیکھتے رہنا چاہئے کہ کون سی بدیاں ہم نے کس حسن کے ذریعے دور کی ہیں۔

یہ جو عمل ہے یہ لمحہ لمحہ کا عمل ہے۔ یہ روزمرہ کا ایسا حساب نہیں کہ جیسے بھی کھاتے بند کرنے سے پہلے جو تاجر ہیں وہ بیٹھے اپنی دوکانوں میں حساب کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اور طرح کا حساب ہے جو لازماً جاری و ساری حساب ہے۔ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ کے مضمون سے اس کا تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اقتباس آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کا گہرا فلسفہ آپ کو سمجھاؤں۔ فرمایا **اعمل ما شئت فقد غفرت لک** یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے بعض بندوں سے کہ ''**اعمل ما شئت**'' جو چاہے کر اب کھلی چھٹی ہے **فقد غفرت لک** پس میں تجھے بخش چکا ہوں۔ پس جب میں نے بخش دیا تو پھر حساب کتاب کا کیا سلسلہ رہا اب تجھے چھٹی ہے جو چاہے کرتا پھرے۔ فرمایا اس کا مطلب سمجھو، غور کرو تو پھر تمہیں سمجھ آئے گی کہ یہ گناہوں کی چھٹی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں۔ فرمایا:

> ''حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان بار بار رو رو کر اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو آخر کار خدا کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو بخش دیا۔ اب تیرا جو جی چاہے سو کر۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کے دل کو بدل دیا اور اب گناہ اسے بالطبع برا معلوم ہوگا جیسے بھیڑ کو میلا کھاتے دیکھ کر کوئی دوسرا حرص نہیں کرتا کہ وہ بھی کھاوے۔''

یعنی بھیڑ جب گندگی پہ منہ مارتی ہے تو ایک نیک طبع انسان جو اپنی بدیوں سے نجات پا چکا ہو، گندی عادتیں اس سے نکال کر باہر پھینک دی گئی ہوں تو جو گندگی اس سے نکال کر باہر پھینکی گئی ہے اس سے محبت تو نہیں رہتی بلکہ بری لگنے لگتی ہے۔ فرمایا اسی طرح خواہ ایک انسان بھوکا بھی ہو اگر بھیڑ کو گندگی کھاتے دیکھے گا تو اس کا دل نہیں چاہے گا کہ اسی گندگی پہ وہ بھی منہ مارے بلکہ اور کراہت محسوس کرے گا تو **اعمل ما شئت** کا یہ مطلب ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''اور اب گناہ اسے بالطبع برا معلوم ہوگا جیسے بھیڑ کو میلا کھاتے دیکھ کر کوئی دوسرا حرص نہیں کرتا کہ وہ بھی کھاوے اسی طرح وہ انسان بھی گناہ نہ کرے گا جسے خدا نے بخش دیا ہے''۔ (ملفوظات جلد نمبر 1 صفحہ: 3)

اب دیکھیں بخشش کی بھی کیسی اعلیٰ پہچان ہمیں عطا فرما دی۔ یہ خیال، یہ واہمہ کہ ہم نے خوب رو رو کر دعائیں مانگیں اور محسوس ہوا کہ اب ہم بخشے گئے ہیں اور گناہ جھڑ گئے ہیں یہ واہمہ دور فرما دیا یہ بیان کر کے ایک کسوٹی ہے بخشش کو جانچنے کی اور وہ یہ کسوٹی ہے کہ جس گناہ کو بخشا گیا ہے اس گناہ سے انسان کو بالطبع دوری عطا کی جاتی ہے، اس کو بعد عطا کیا جاتا ہے۔ ایک طبعی نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک اس کی محبت باقی ہے اس وقت تک بخشش کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اگر محبت باقی رکھے خدا اور بخش دے تو پھر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کو ترویج دینے کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کے خلاف ہے کہ ایسی حالت میں بخشے کہ اس گناہ کی محبت، اس کا پیار، اس کی حرص دل میں باقی رہے اور اللہ کہے میں نے تجھے بخش دیا ہے اور پھر فرمائے کہ اب جو چاہے کرتا پھر تو اس کا مطلب ہے کہ خدا سے بڑھ کر اور کوئی گناہ کو ترغیب دینے والا نہیں ہوگا، پھر کسی شیطان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر اللہ ہی کافی ہے گناہوں کو ترغیب دینے والا، **نعوذ باللہ من ذالک**۔ یہ اتنا خطرناک ظالمانہ خیال ہے کہ جو خدا کے عرفان کا ایک شائبہ رکھنے والا بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان گہرے معارف کو سمجھ کر ان حدیثوں کے معنوں کو سمجھیں جو بدقسمتی سے بعض علماء نے غلط معنوں کو ترغیب دینے کے لئے رائج کر دیں اور گناہوں کو کم کرنے کی بجائے وہ حدیثیں گناہ کو بڑھانے کا موجب بنا دی گئیں جو خدا ہی کی نہیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی بھی بڑی گستاخی ہے کہ گویا آپ کو اللہ کا عرفان ہی نصیب نہیں تھا، **نعوذ باللہ من ذالک**۔ آپ خدا کو ایسا سمجھ رہے تھے جو گناہ کو تقویت عطا کرتا ہے۔ پس جب تک عمل کی زندگی ہے اس وقت تک یہ ہو نہیں سکتا۔ یہ ترجمہ مکمل نہیں اور جب عمل کی زندگی ختم ہو تو **اعمل ماشئت** کا مضمون ختم ہو جاتا ہے۔

ایک بخشش ہے جو عمل کی زندگی کے دوران ہے یہ میں اس بخشش کی بات کر رہا ہوں۔ ایک بخشش ہے جو موت کے وقت یا بعض دفعہ موت کے بعد عطا ہوتی ہے وہ جو بخشش ہے اس میں خدا کامل طاقت اور اختیار رکھتا ہے جو چاہے کرے۔ کوئی نہیں جو اس کی راہ میں حائل ہو سکے۔ مگر اس کے بعد **اعمل ما شئت** کا تو پھر مضمون باقی نہیں رہتا۔ عمل کی دنیا تو ختم ہو چکی ہے۔ پس جب تک آپ کو

عمل کی توفیق ہے آپ کی بخشش وہیں ہوئی ہے جہاں سے آپ کو گناہ سے نفرت شروع ہوگئی ہے۔ اس سے پہلے بخشش نہیں ہے اور جب گناہ سے نفرت ہو جائے تو پھر بدیاں بھی اچھی نہیں لگتیں۔ جب ایک بڑی مصیبت سے نجات ملے، بڑے داغ دور ہو جائیں تو چھوٹے داغ نمایاں ہو جایا کرتے ہیں اور پھر ان چھوٹے داغوں کو دور کرنے کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اگر غلاظت ہی لگی ہوئی ہے جسم کے اوپر تو چھوٹے چھوٹے باریک داغ دکھائی ہی نہیں دے سکتے۔ خیال ہی نہیں پیدا ہوسکتا کہ یہ بھی دور کرنے والی باتیں ہیں۔ سب سے پہلے انسان غلاظت کو دھوئے گا۔

تو گناہ وہ غلاظت ہے جس کو دھو کر اور دھونے کے ساتھ یہ مضمون شامل ہے کہ نفرت ہے تو دھویا گیا۔ نفرت اور بخشش، گناہوں کو مٹانا اور دور کرنا یہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن پھر بعد میں پتا چلتا ہے کہ چادر کے داغ تو دور ہوئے نہیں، جگہ جگہ بہت سے ایسے داغ ہیں جو پہلے دکھائی نہیں دیتے تھے، اب نظر آنے لگ گئے ہیں۔ ان کو دور کرنے کا جو سلسلہ ہے وہ ساری زندگی کا معاملہ ہے، ہمیشہ ساتھ رہے گا اور اس کے لئے طریق یہ بیان فرما دیا گیا کہ حسن کی تلاش کرو، اپنے آپ کو زیادہ حسین تر بنانے کی کوشش کرو۔ جب بھی تم کسی نیکی کی خواہش رکھو گے اور اسے اپنا لو گے اس کے ساتھ ہی بعض داغ جو تمہارے اندر تھے وہ از خود دور ہو جائیں گے وہ اکٹھے رہ سکتے ہی نہیں کیونکہ نیکی دراصل خدا کی صفات کا پرتو ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات کے ساتھ بدیاں رہ نہیں سکتیں۔

تو ایسا اعلیٰ مضمون سکھایا گیا ہے اور پھر اس کے ساتھ جو وعدہ فرمایا گیا ہے برکت کا وہ یہ ہے کہ نیکیاں دوسری نیکیوں کو جنم دیں گی وہ اکیلی نہیں رہیں گی۔ تم میں نشوونما شروع ہوگی جو تمہیں پہلے سے زیادہ عظیم تر بناتی چلی جائے گی اور پھر تمہارے گرد و پیش میں برکت دی جائے گی، تمہاری تعداد میں اضافہ ہوگا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ کا مضمون شروع ہو جائے گا۔ محمد ﷺ اکیلا رہنے والا وجود ہی نہیں ہے اس کے ساتھ وہ لازماً وہ پیدا ہوں گے جو مَعَهٗۤ کا حق ادا کریں گے اور معیت کا حق تبھی ادا ہوسکتا ہے جو خوبیاں سیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی جو ساتھ ہیں وہ خوبیاں سیکھیں گے تو مَعَهٗۤ ہوں گے۔ ورنہ تو معیت کا شرف ان کو نصیب ہی نہیں ہوسکتا۔ تو آپ کے ساتھ بھی ایک معیت پیدا ہو گی يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ کا یہ معنی ہے جو آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

پس دعوت الی اللہ کے معاملے میں دعا کے لئے لکھنے والے اور شکایت کرنے والے کہ ہم نے تو ہر طریقہ آزما دیکھا آسمان سے برکت اترتی ہی نہیں وہ ایک خواب وخیال کی دنیا میں بس رہے ہیں۔ آسمان سے برکت تو اتر رہی ہے لیکن آپ کے اندر کچھ ایسی کمزوریاں ہیں جنہیں آپ دور نہیں کر رہے اور میں جانتا ہوں کہ تم کیا ہو اندر سے اور جب تک تم ان بدیوں کو دور کرنے کا عمل شروع نہیں کرتے یہ وعدہ تمہارے حق میں پورا نہیں ہوگا کہ یَزِیۡدُھُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے بڑھاتا ہے۔

تو ساری جماعت کے لئے ایک نشو ونما اور بڑھنے کا فلسفہ ان آیات میں بیان ہوا ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھول کر بیان فرمایا اور جو ابہام تھے وہ دور کر دیئے اور جو بدیوں کو دور کرنے کی حقیقت ہے وہ ہمارے سامنے کھول دی۔ مغفرت کس کو کہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں کیا ہونا چاہئے یہ سارے مضامین ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے سامنے کھولتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **''مسلمانوں کو خنزیر کے گوشت سے بالطبع کراہت ہے۔''** اس دور میں بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں یہ کہنا پڑے گا **''بالطبع کراہت تھی''** کیونکہ انگلستان میں کثرت کے ساتھ بدقسمتی سے بعض بڑی تعداد میں بلکہ مسلمان نوجوان ہیں جو خنزیر کھانے لگ گئے ہیں مگر ایک دور تھا ''تھی'' اور بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں مسلمانوں میں طرح طرح کی بدیاں آ گئی ہیں مگر خنزیر کی کراہت آج بھی موجود ہے۔ جو استثناء ہے وہ ایک چھوٹے ماحول میں بعض جگہوں پر ہے اور اس کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ یہاں جو پلے ہوئے احمدی نوجوان ہیں وہ کہیں گے ''تھی'' والی بات تو پرانی ہوگئی۔ پرانی ہوئی مگر بہت محدود علاقوں میں بحیثیت مسلمان عالمی طور پر اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا آج بھی درست ہے کہ بالطبع مسلمان میں خنزیر کے گوشت کے خلاف کراہت موجود ہے۔

یہ بیان فرمانے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ **''حالانکہ اور دوسرے ہزاروں کام کرتے ہیں جو حرام اور منع ہیں تو اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک نمونہ کراہت کا رکھ دیا ہے اور سمجھا دیا ہے کہ اسی طرح انسان کو گناہ سے نفرت ہو جاوے''**۔ فرمایا سؤر کی کراہت تمہارے دل میں بالطبع موجود ہے اس لئے نہیں کھاتے تو آسان ہے نہ کھانا بلکہ اتنا آسان ہے کہ اس کے خلاف کرنا تمہارے لئے دوبھر ہے، سوچنا بھی مشکل ہے ایک کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اگر گناہ کا مفہوم تمہیں اس طرح سمجھ آ جائے کہ اس کا گند دیکھ کر تم اس کی طرف جھکنے کا تصور بھی نہ کرو اور طبیعت

کراہت کے ساتھ اس سے دور ہٹے جیسا کہ انسان کسی گندگی کو دیکھتا ہے تو رستے میں چلتے ہوئے دکھائی دے تو انسان قدم بچا کر، ذرا ہٹا کر رکھتا ہے اس کے قریب بھی پاؤں نہیں لاتا تو کیسے ممکن ہے کہ جس چیز کے قریب پاؤں کا لانا برداشت نہ ہو اس میں انسان منہ مار دے اور اس غلاظت کو کھانے لگے۔

پس کیسی عمدگی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گناہ کی نفرت کا مضمون بیان فرمایا۔ فرمایا لیکن یہ نفرت ممکن نہیں ہے جب تک دعا نہ ہو۔ پس دعا کے ذریعے مدد مانگنا لازم ہے مگر جس چیز کی دعا مانگی جائے اس کے لئے کوشش کرنا اور اس سمت میں قدم اٹھانا یہ بھی دعا کی قبولیت کے لئے لازم ہے ورنہ وہ دعا قبول ہی نہیں ہوگی۔ فرماتے ہیں کثرت گناہ کی وجہ سے دعا میں کوتاہی نہ ہو۔ اب یہ بھی ایک بہت اہم مضمون ہے کہ بعض دفعہ دعا میں کوتاہی مایوسی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں اتنے گناہوں میں ملوث ہو چکا ہوں کہ اب مجھے بھلا کیا توفیق ملے گی کہ میں اپنی صفائی کروں اور عمر کا بھی کوئی پتا نہیں کس وقت زندگی ختم ہو جائے۔ تو گناہوں کی کثرت بھی انسان کو دعا سے غافل کر دیتی ہے اس وجہ سے کہ شاید گناہ بہت بڑھ چکے ہیں اور گناہوں کے ہٹنے کے لئے دعا کرتا اور گناہوں کا باقی رکھنا اس مایوسی کو مزید بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

کئی لوگ کہتے ہیں جی ہم نے بڑی دعا کی ہے نماز میں توجہ پیدا ہو مگر نہیں ہوئی اب رفتہ رفتہ دل ہی اچاٹ ہو گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو بیماریاں کئی قسموں کی ہیں جو ان کے اندر یہ غلط خیال پیدا کرتی ہیں لیکن اس وقت ان کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے کیونکہ ایک اور مضمون شروع ہو جائے گا اس لئے میں آپ کو صرف اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کثرت گناہ کی وجہ سے دعا میں کوتاہی نہ ہو۔ اس کو آپ حرز جان بنالیں اور دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں پھر انشاء اللہ آپ کے اندر وہ اصلاح کا دور شروع ہو جائے گا جو گناہوں کی مغفرت کا سامان کرے گا اور بدیوں کے دور کرنے کا۔ فرماتے ہیں:

> ”گناہ کرنے والا اپنے گناہوں کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دعا سے ہرگز باز نہ رہے۔ دعا تریاق ہے۔ آخر دعاؤں سے دیکھ لے گا کہ گناہ اسے کیسا برا لگنے لگا“۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ: 3)

اب یہ بھی حکمت کی بات ہے۔ حکمت کی تو سب باتیں ہیں مگر ایک ایسی حکمت کی بات ہے

جو سمجھے بغیر انسان گناہ سے بچ سکتا نہیں۔ گناہ کی محبت قائم رکھتے ہوئے انسان یہ دعا مانگے کہ میں گناہ سے بچ جاؤں یہ ایک جاہلانہ دعا ہے۔ گناہ کی محبت کو بری نظر سے دیکھے اور اس محبت کے خلاف دعا کرے یعنی اپنے گناہوں کی حرص کو بد دعا دے اور خدا سے یہ چاہے کہ یہ مجھے کیوں اچھا لگ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تو اس سے ایسا الگ کر دے کہ مجھے اس سے نفرت ہو جائے میں اس کا قرب برداشت نہ کر سکوں یہ دعا سب سے مشکل دعا ہے کیونکہ گناہ چاہت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور چاہت کے خلاف دعا ہونی بڑا مشکل کام ہے اس لئے انسان یہ کبھی دعا نہیں مانگتا کہ اے خدا یہ مجھے تمنا ہے مجھے فلاں چیز ملے اور یہ ہو اور وہ ہو یہ تمنا اٹھا دے میرے دل سے، اسے مٹا دے یہ بڑا مشکل کام ہے۔ انسان کہتا ہے مجھے تمنا تو ہے مگر تو مجھے معاف کر دے، مجھے تمنا تو ہے مگر میں گناہوں سے بچ جاؤں، بچ نہیں سکتا جب تک وہ تمنا نہ مٹ جائے۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا سکھاتے ہیں ''**گناہوں کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دعا سے ہرگز باز نہ رہے۔ دعا تریاق ہے آخر دعاؤں سے دیکھ لے کا کہ گناہ اسے کیسا برا لگنے لگا۔**'' پس ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں آنکھیں کھول کر یہ جائزہ لینا چاہئے کہ کوئی ایسا گناہ ہے جو کل تک ہمیں پسند تھا آج برا لگنے لگا ہے اور اگر کوئی بھی نہیں تو اپنی تہی دامنی پر انسان واویلا کرے۔ اس نے اپنی عمر بھر کی کوششوں کو گنوا دیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ ہر رمضان میں خاص طور پر دعائیں کر کے اس نے بخشش طلب کی اور سارے گناہ بخشے گئے مگر جو بخشے گئے وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو گئے کیونکہ ان کے دل میں نفرت نہیں پیدا ہوئی۔ جب نفرت نہیں پیدا ہوئی تو ان کی زندگی کا بیج باقی رہا ہے اور وہ اگلے رمضان سے پہلے بلکہ پہلے رمضان کے معاً بعد پھر پھوٹ پڑیں گے۔ تو وہ زمیندار جو بیج نہیں مارتا جڑی بوٹیوں کا وہ اپنی فصل کی کبھی بھی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے بیج مارنا خواہشات کے خلاف دعا کرنا ہے۔ دعا یہ کرے کہ اللہ ان کی محبت مٹا دے اور پھر چند دن کے بعد آپ کی آنکھیں اس شعور کے ساتھ کھلیں گی کہ یہ چیز اب مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دل ہی نہیں چاہتا اس کو کرنے کو۔ تو جب دل نہیں چاہے گا تو کتنا آسان ہے گناہ کو چھوڑنا پھر تو ایک طبعی تقاضے کے طور پر آپ کا گناہ از خود آپ کو چھوڑ دے گا۔ آپ کو اسے چھوڑنے کا جو مشکل مضمون ہے وہ اتنی آسانی سے حل ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں:

''جو لوگ معاصی میں ڈوب کر دعا کی قبولیت سے مایوس رہتے ہیں

اور توبہ کی طرف رجوع نہیں کرتے آخر وہ انبیاءؑ اور ان کی تاثیرات کے منکر ہو جاتے ہیں''۔ (ملفوظات جلد نمبر 1، صفحہ:3)

فرمایا گناہوں میں ڈوبے ہوئے اگر آپ لوگ توبہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور دعا کی قبولیت سے مایوس رہتے ہیں تو ایسے لوگ وہ ہیں جو بالآخر انبیاءؑ اور ان کی تاثیرات کے منکر ہو جاتے ہیں۔ یہ کیوں فرمایا کہ ''**انبیاءؑ کی تاثیرات کے منکر ہو جاتے ہیں۔**'' وجہ یہ ہے کہ یہ انبیاءؑ کی دعائیں ہی ہیں جو ماحول اور گردو پیش کو بھی بدیوں سے پاک کرتی ہیں۔ اگر یہ دعائیں نہ ہوں تو از خود اس قوم میں اصلاح کرنے کی صلاحیت تو تھی ہی نہیں، ہوتی تو پہلے خود کیوں نہ اصلاح پذیر ہو چکی ہوتی۔ وہ قومیں صدیوں سے بگڑیں اور بگڑتی چلی گئیں یہاں تک کہ ان کی بدیاں پختہ ہو گئیں ان میں بھلا کہاں صلاحیت ہے۔ ان کی تو دعا کی طرف بھی توجہ نہیں تھی۔ ان میں جو انقلاب برپا ہوا ہے یہ انبیاءؑ کی دعاؤں کی تاثیرات کا ثبوت ہے۔ تو ایک شخص اگر اپنی ذات میں بھی دعا کے اثر کا منکر ہو بیٹھے لازم ہے کہ بالآخر وہ نبیوں کی پاکیزگی اور ان کی صلاحیتوں کا بھی انکار کر بیٹھے گا اور انبیاءؑ سے بھی اس کا ایمان اٹھ جائے گا اور یہی ہوتا ہے۔

جو شخص اپنے تعلق میں دعا کے ذریعے نجات پانے کا قائل نہیں رہتا وہ دراصل نجات کا ہی منکر ہو بیٹھتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ دور ہٹ جاتا ہے۔ عبادت سے بھی گیا، نیکیوں سے بھی گیا پھر بدیاں اس پر دوبارہ قبضہ کر لیتی ہیں گویا اس کی زندگی رفتہ رفتہ اس کے بدن کو چھوڑ دیتی ہے اور مردار خور جانور یعنی بدیاں اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توبہ کے تعلق میں بیعت کے مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''یہ توبہ کی حقیقت ہے (جو اوپر بیان ہوئی ہے) اور یہ بیعت کی جُز کیوں ہے؟ تو بات یہ ہے کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب وہ بیعت کرتا ہے اور ایسے ہاتھ پر جسے اللہ تعالیٰ نے وہ تبدیلی بخشی ہو تو جیسے درخت میں پیوند لگانے سے خاصیت بدل جاتی ہے اسی طرح سے اس پیوند سے بھی اس میں وہ فیوض اور انوار آنے لگتے ہیں (جو اس تبدیلی یافتہ انسان میں ہوتے ہیں)''۔

فرمایا توبہ پرانی زندگی سے یا پرانی بدعادتوں سے قطع تعلقی کا نام ہے۔ جس کا مطلب ہے

کہ وہ جڑیں جو تمہیں خون پہنچا رہی تھیں جو تمہیں بعض طاقتیں بخش رہی تھیں ان سے تم کٹ کر الگ ہو گئے۔ تو پھر تمہارا وجود کیسے زندہ رہے گا۔ کسی اور سے وابستہ ہونا پڑے گا اور اس پانی سے تمہاری نشوونما ہوگی اور یہ مضمون پیوند کا مضمون ہے۔

ایک شاخ ایک جگہ سے کاٹی گئی اور ایک دوسری جگہ منتقل ہوئی اور جب منتقل ہوئی تو اسے پودے، جس میں وہ منتقل ہوئی ہے، اس کی کیفیت بدل دی ہے۔ اب اس مضمون کو بعینہٖ سو فیصدی تو اس جگہ بیان نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مثال لفظاً لفظاً پوری کی پوری صادق آئے گی مگر جو صادق آتی ہے وہ حصہ میں آپ کے سامنے کھولتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ:

''جب ایک شاخ ایک درخت سے کٹ کے کسی ایسے درخت کے اوپر منتقل کی جاتی ہے جس میں وہ خوبیاں نہیں''

جو اس درخت میں تھیں جس کی شاخ ہے تو بظاہر منتقل ہوا ہے ایک اور وجود لیکن فرمایا کہ تم دراصل وہ ہو جو اپنے آپ کو اس شاخ کے حضور پیش کرتے ہو اور جب تم اپنے آپ کو اس شاخ کے حضور پیش کرتے ہو تو تمہاری تمام طبعی حالتیں اس Bud، جو بھی پھولنے اور پھلنے کا ایک بیج اس کے اندر موجود ہوتا ہے شگوفہ، اس شگوفے میں اپنی تمام صلاحیتیں اس کے سپرد کر دیتے ہو اور پھر جب وہ شگوفہ پھوٹتا ہے تو تمہاری پرانی صلاحیتوں کے ساتھ نہیں پھوٹتا، تمہاری صلاحیت کو اپنا رنگ دے دیتا ہے اور ایک نیا پھل اس میں لگ جاتا ہے۔

تو اس پہلو سے ایک بہت ہی اعلیٰ اور پیاری مثال ہے جو بیعت کی حکمت اور اس کے فلسفے کو روشن فرماتی ہے۔ فرمایا:

''جب مثلاً آنحضرت ﷺ کی صحابہؓ نے بیعت کی تو کیا مقصد تھا۔ وہ یہ تھا کہ جس ہاتھ پر ہاتھ ہے اب یہ غالب ہاتھ ہماری نشوونما کا موجب بنے گا، ہماری ساری صلاحیتیں اس کے تابع ہو گئیں۔''

جب تک اس ہاتھ سے الگ رہ کر ہماری صلاحیتیں نشوونما پا رہی تھیں وہ کڑوے، گندے، کسیلے پھل لا رہی تھیں۔ اب ہم نے اس ہاتھ کے سپرد اپنا ہاتھ کر دیا یعنی ہماری تمام تر صلاحیتیں اس کے تابع ہو گئیں اور اب نشوونما جو چیز پائے گی وہ اس ہاتھ کی صلاحیتیں نشوونما پا گئیں نہ کہ ہمارے

ہاتھ کی۔اسی لئے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح:11) کا مضمون بیان فرمایا ہے۔حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ جو مومنوں پر تھا وہ گویا ایسا ہاتھ تھا کہ اللہ کا ہاتھ ہو جو ان پر غالب ہے۔تو اللہ کی صفات غالب آیا کرتی ہیں اور وہی رنگ وہ ہاتھ قبول کر لیتا ہے جو نیچے ہے۔پس یہ مضمون ہے جو بیعت کا مضمون ہے۔

اس تعلق میں جماعت احمدیہ کو یاد رکھنا چاہئے کہ اصل بیعت وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی بیعت ہے اور ہر بیعت کے وقت اسی بیعت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں بھی وہی بیعت زندہ ہوئی تھی نہ کہ کوئی نئی بیعت۔پس خلافت بھی اسی رسول کے تابع ہے جس نے آگے پھر مسیح موعودؑ کو پیدا فرمایا اور مسیح موعودؑ نے جو خلافت جاری کی وہ پھر غلامی در غلامی کا دم بھرنے والی خلافت ہے اور اس سے بیعت کر کے اس کے وجود کی اگر کوئی خوبیاں ہوں تو وہ سرایت کریں گی مگر اس میں جو خوبیاں نہیں بھی ہیں مگر چونکہ وہ ایک منصب کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھتا ہے اس لئے آپ کے ذہن میں آنحضرت ﷺ کی خوبیاں رہنی چاہئیں نہ کہ اس وجود کی تا کہ آپ کا دل محمدؐ سے بیعت کر رہا ہو اور یہی مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھولا ہے۔

''خلیفہ کی طاعت، محمدؐ سے بیعت'' کا جو شعر آپ نے سنا ہوا ہے وہ یہ مضمون ہے اصل میں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی عارفانہ کلام پر مبنی ہے کہ اطاعت خلیفہ کا وعدہ کیا جا رہا ہے مگر بیعت محمدؐ کی ہے اور وہی بیعت ہے جو سب برکتوں والی ہے۔اس بیعت کو پیش نظر رکھ کر جب آپ توبہ اور بیعت کے مضمون کو جوڑ کر پڑھتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت کو از سر نو پڑھتے ہیں جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے تو دیکھیں کتنا عظیم الشان ایک زندگی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا ہے فرماتے ہیں:

> ''تو جیسے درخت میں پیوند لگانے سے خاصیت بدل جاتی ہے اسی طرح سے اس پیوند سے بھی اس میں وہ فیوض اور انوار آنے لگتے ہیں (جو اس تبدیلی یافتہ انسان میں ہوتے ہیں)''۔

یعنی اس موقع پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے انوار ہیں جو ہر خلیفہ وقت کی بیعت کے وقت لازماً پیش نظر رہنے چاہئیں۔ورنہ خلفاء کے معیار بدلتے رہتے ہیں، خلفاء کے حالات بدلتے رہتے ہیں،

خلفاء کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور ساری امت کی زندگی ان اتفاقات پر قربان نہیں کی جاسکتی۔

پس امت کی زندگی کی ضمانت کسی خلیفہ کی ذاتی صلاحیت نہیں ہے۔ اس خلیفہ کا یہ عہد بیعت ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے وہ کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کے ذریعے اس عہد کو اس نے دہرایا ہے وہ امین بن جاتا ہے اور جو اس کی کمزوریاں ہیں وہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے امانت کا حق محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے معاملے میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس بیعت محمدؐ ہی کی ہے اور کوئی بیعت نہیں ہے۔ اس بیعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی ساری بدیاں دور ہونگی اور آپ کو وہ توبۃ النصوح کی توفیق ملے گی جو آپ کے سارے گناہ ختم کردے گی اور آپ کی ہر بدی کو حسن میں تبدیل کرنے کا ایک لازوال سلسلہ شروع کردے گی۔ فرماتے ہیں:

''بیعت رسمی فائدہ نہیں دیتی، ایسے بیعت سے حصہ دار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اسی وقت حصہ دار ہوگا جب اپنے وجود کو ترک کر کے بالکل محبت اور اخلاص کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جاوے۔ منافق آنحضرت ﷺ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے آخر بے ایمان رہے''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذہن میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی بیعت ہی ہے چنانچہ مثال بھی آپ ہی کی دی۔ منافق آنحضرت ﷺ کی بیعت تو کر چکے تھے مگر وہ تعلق نہ پیدا ہوا جو نئے شگوفے کے ساتھ ہونا چاہئے جس پر انسان اپنے آئندہ کے درخت وجود کا مطمح نظر بنا لیتا ہے۔ اس شگوفے سے جو تاثیریں پھوٹیں وہ پیش نظر ہوں تو تب بیعت قبول ہوتی ہے۔ تو فرمایا منافق اس شگوفے کی صلاحیتوں سے، اس کی صفات سے تو تعلق رکھتے نہیں تھے ہاں ہاتھ بیعت کے لئے ایک اور ہاتھ میں تھما دیا اس سے زیادہ ان کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ فرمایا:

''اس لیے ظاہری لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ان کے کام نہ آیا۔ تو ان تعلقات کو بڑھانا بڑا ضروری امر ہے۔ اگر ان تعلقات کو وہ (طالب) نہیں بڑھاتا اور کوشش نہیں کرتا تو اس کا شکوہ اور افسوس بے فائدہ ہے۔ محبت اور اخلاص کا تعلق بڑھانا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو اس انسان (مرشد) کے ہم رنگ ہو۔ طریقوں میں اور اعتقاد میں۔ نفس لمبی عمر کے وعدے دیتا ہے۔ یہ دھوکہ ہے۔ عمر کا اعتبار نہیں

ہے جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہئے اور صبح سے لے کر شام تک حساب کرنا چاہئے''۔ (ملفوظات جلد 1 صفحہ :3، 4)

یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے قرآن کریم کی ان آیات کی تفسیر میں بیان کر چکا ہوں جو میں نے پڑھی تھیں کہ انسان کے متعلق ایک ایسی تنبیہہ ہے جو اسے یاد نہ رہے تو اس کا کوئی وقت بھی سچی توبہ کا وقت نہیں ہوسکتا۔ اللہ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ حساب لے گا تو اچانک تم اپنے عمل کے دور کو ختم ہوتا دیکھو گے۔ ایک یہ معنی بھی ہے یعنی امتحان کب آئے گا، یعنی کب ختم ہوگا اور عمل کا دور کب اختتام پذیر ہوگا اور جزاء کا دور شروع ہوگا اس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ اس لئے اپنا حساب ساتھ ساتھ کرو۔ بنئے کی طرح دن کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرو کیونکہ دن کا ختم ہونا تمہارے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔ تمہاری زندگی کسی لمحہ بھی مٹ سکتی ہے اور ہر لمحے اپنا حساب کرو اور دیکھو کہ اگر آج جان جائے تو سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ کے سامنے تم کیسے پیش ہو گے۔ کیونکہ تمہاری موت کا لمحہ ہی تمہارے حساب کا لمحہ بننا چاہئے اور یہ ایسا عظیم الشان مضمون جو ہمیشہ دن رات، زندگی کے ہر لمحے میں انسان کو اپنے نفس کا محاسب بنا دیتا ہے، انسان اپنے نفس کا محتسب ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے نفس کا محتسب نہ ہو وہ حمقاء کی جنت میں بستا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے احتساب پر مامور فرما دے گا۔

اپنے نفس کا احتساب اس طرح سیکھیں۔ پل پل، لمحہ لمحہ اپنے محتسب بن جائیں اور پھر اپنے اندر نئے حسن پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ آپ وہ قوم ہوں گے خدا کی نظر میں جن کے سپرد دنیا کا حساب کیا جائے گا۔ یہی وہ صفت ہے جو انبیاءؑ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے ساری ان قوموں کا حساب ان کے انبیاءؑ کے سپرد کر دیا گیا ہے جو ان کے مطاع بنائے گئے۔ پس آپ نے تمام بنی نوع انسان کا محتسب بننا ہے تو اس سے پہلے اپنے نفس کا احتساب سیکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ وہ سلسلہ ہے ہمیشہ جاری رہنے والا ترقی کا جو کبھی اختتام پذیر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لامتناہی ترقیات سے ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین